© rasailojaraid.com

کی امت کے دس افراد ۔ چونکہ ان کے بیٹے ہی تھے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے مقابلے میں ایک اکثریت تھے کو بے علم قرار دیا ہے (یوسف ۲۱) وہاں امتِ محمدیہ کی اکثریت کے اس فیصلے کو بھی بنظرِ استحسان نہیں دیکھا جس کی وجہ سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو شہر کی بجائے میدان میں جنگ لڑنی پڑی نہ ہی اکثریت کے اس واقعہ کو قابلِ استحسان گردانا گیا جس کی وجہ سے احد کی جیتی ہوئی جنگ وقتی طور پر شکست میں تبدیل ہوگئی اور نہ ہی حدیبیہ کے مقام پر اکثریت کے فیصلے سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو پریشانی لاحق ہوتی اور نہ وہ امتِ محمدیہ کی اکثریت کے فیصلے کا شکوہ اُم المومنین ام سلمہؓ سے کرتے اور اس کے ساتھ ساتھ اسامہؓ کو سردارِ لشکر بنانے کے سلسلے میں اکثریت کا رد عمل اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو وضاحت کے لیے خطبہ دینے پر مجبور نہ کرتا اور نہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم قیدیوں کی رہائی کے سلسلے میں حضرت عمرؓ، حضرت عبداللہ بن رواحہ اور حضرت سعدؓ بن معاذ ایسی اکثریت کے مقابلے میں صرف حضرت ابو بکر صدیقؓ کی رائے تسلیم کرتے، حضرت ابو بکرؓ زکوٰۃ کی وصولی کے بارے میں تمام صحابہ کرام کی رائے کو بھی نظر انداز نہ کرتے اور حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کی اکثریتی رائے کی بجائے تنہا حضرت عثمانؓ کی رائے پر عمل نہ کرتے! اب آخر میں کنز العمال جلد اول میں درج حضرت عمرؓ سے مروی یہ حدیث پڑھ لیں کہ "جب بھی کسی نبیؐ کے بعد اس کی امت نے اختلاف کیا تو اہلِ باطل اہلِ حق پر غالب رہتے ہیں"۔ اہلِ حق پر اہلِ باطل کا غلبہ بظاہر اور تعداد کے لحاظ سے ہی ہوتا ہے۔

بھول بھلیاں

جمہوریت کو اسلامی بنانے کی کوشش کے تذکرہ اور اس پر تبصرہ کے بعد میں مولانا امین احسن اصلاحی کے شاگردِ رشید جناب جاوید احمد کی تصریحات کے بارے میں بھی کچھ کہنا چاہوں گا جنھوں نے جمہوریت کو ضلالت اور گمراہی تو قرار دیا ہے لیکن ان اعمال کو اسلامی ثابت کرنے کی کوشش کی جس پر جمہوریت کی عمارت استوار ہوتی ہے ۔ وہ اپنی تصنیف "اسلام کا سیاسی نظام" میں لکھتے ہیں کہ آیتِ زیرِ بحث ۔۔۔ امرھم شوریٰ بینھم ۔۔۔ میں "شوریٰ" فعلیٰ کے وزن پر مصدر ہے اور اس کے معنی ۔۔۔ مشورہ کرنے کے ہیں ۔۔۔ اس مصدر کے خبر واقع ہونے اور اس کے ساتھ "بینھم" کے اضافے سے اس جملے کا مفہوم اب وہ نہیں رہا جو شاورھم فی الامر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فاذا عزمت فتوکل علی اللہ میں ہے۔ لیکن "امرھم شوریٰ بینھم" کی صورت میں، اسلوب میں جو تبدیلی ہوتی ہے اس کا تقاضا ہے کہ خود امیر کی امارت مشورے کے ذریعے منعقد ہو۔ نظام مشورے ہی سے وجود میں آئے، مشورہ دینے میں سب کے حقوق برابر ہوں جو کچھ مشورے سے بنے وہ مشورے سے توڑا بھی جا سکے۔ جس چیز کو وجود میں لانے کے لیے مشورہ لیا جائے ہر شخص کی رائے اس کے وجود کا جز بنے۔ اجماع یا اتفاق سے فیصلہ نہ ہو سکے تو فصل نزاعات کے لیے اکثریت کی رائے قبول کر لی جائے۔"

جناب جاوید احمد صاحب جو کچھ بھی ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ جمہوریت کی کس حد تک خدمت سے تعلق رکھتا ہے، سے قطع نظر انھوں نے شورائی نظام کے بارے میں دو قرآنی آیات کو دو مختلف خانوں میں رکھ کر جو نتیجہ اخذ کیا ہے اس کی یہ کہہ کر خود ہی تردید کر دی ہے کہ "امرھم شوریٰ بینھم" کی عملی تشکیل کا موقع آیا تو سورۂ آل عمران میں جو ہدایات آپ کو دی گئی ہیں ان میں واضح کر دیا گیا کہ مشورہ تو بہر حال آپ کو بھی کرنا ہوگا لیکن مشورہ کے بعد جس رائے پر بھی آپ پہنچ جائیں، خدا پر بھروسہ کرتے ہوئے پورے عزم و جزم کے ساتھ اس پر عمل پیرا ہو جائیں، "شاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللہ ان اللہ یحب المتوکلین" (اسلام کا سیاسی نظام)

مولانا امین احسن اصلاحی کے شاگرد رشید نے امرھم شوریٰ بینھم اور شاورھم فی الامر کو دو مختلف خانوں میں تقسیم اور ان کے تقاضوں کو منقسم کرنے کے باوجود یہ تسلیم کر لیا ہے کہ شاورھم فی الامر اصل میں امرھم شوریٰ بینھم کی مزید تشریح ہے لیکن اس تشریح یعنی امرھم شوریٰ بینھم کی تشکیل کیا ہو گی کی ہدایات کو مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی کی طرح صرف اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے مخصوص کر دیا ہے وہ لکھتے ہیں۔ "ہمارے نزدیک چونکہ مسلمانوں کے اجتماعی نظام کی اصل اساس "امرھم شوریٰ بینھم" ہی ہے اس لیے ان کے امراء و حکام کا انتخاب اور حکومت کا انعقاد مشورے ہی سے ہوگا اور امارت کا منصب سنبھال لینے کے بعد بھی وہ یہ اختیار نہیں رکھتے کہ اجتماعی معاملات میں مسلمانوں کے اجماع یا اکثریت کو رد کر دیں۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم البتہ اس پابندی سے مستثنیٰ تھے آپ چونکہ مامور من اللہ امیر تھے۔ بشری خطاؤں سے معصوم و محفوظ تھے۔ معاملات براہ راست اللہ کی رہنمائی میں انجام دیتے تھے اس لیے "امرھم شوریٰ بینھم" کی عملی تشکیل کا موقع آیا تو سورۂ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آل عمران میں جو ہدایات آپؐ کو دی گئیں ان میں واضح کر دیا گیا ...."

شاورھم فی الامر کو امرھم شوریٰ بینھم کی عملی تشکیل کی ہدایات قرار دینے کے باوجود مسلمانوں کے اجتماعی نظام کی اصل اساس "امرھم شوریٰ بینھم" ہی ہے کا دعوے بھول بھلیوں کی معراج ہے کیونکہ "امرھم شوریٰ بینھم" انصار کے تعامل کا ذکر ہے "یا زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس آیت کی روشنی میں مسلمانوں کا اجتماعی نظام باہمی مشورے پر استوار ہونا چاہیے لیکن یہ کیسے ہونا چاہیے اس کی تشریح شاورھم فی الامر کو نظر انداز کرنا قرآن مجید کے ایک حصے کا اقرار اور ایک حصے سے انکار کے مترادف نہیں تو اور کیا ہے خاص طور پر اس وقت جب کہ یہ کچھ تسلیم کر لینے کے بعد کیا جائے کہ امرھم شوریٰ بینھم جس سورت میں ہے اس کے مطالب پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہجرت سے متصل زمانے میں اُمّ القریٰ میں نازل ہوئی ہے" (اسلام کا سیاسی نظام ص۱۱) اور یہ کہ "جب امرھم شوریٰ بینھم کی عملی تشکیل کا موقع آیا تو سورہ آل عمران — میں — ہدایات آپؐ کو دی گئیں" (اسلام کا سیاسی نظام ص۲۲)

کیا شاورھم فی الامر — امرھم شوریٰ بینھم کی عملی تشکیل کی ہدایات قرار پانے کے باوجود، اس سے امیر کو حاصل اختیارات صرف اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے مخصوص ہیں؟ اس سوال کا جواب تفصیل سے دے چکا ہوں اور جناب جاوید کے اپنے "استاذی الامام امین احسن اصلاحی" کے تتبع میں اس دعویٰ کا جواب بھی دیا جا چکا ہے کہ تاریخ و سیر کی کتابوں سے اس امر کی ایک مثال بھی نہیں دی جاسکتی کہ آپؐ نے کسی معاملے میں اپنی رائے کے مقابل میں مسلمانوں کے اہل الرائے کی اکثریت کی رائے کو نظر انداز کر دیا ہو"

امرھم شوریٰ بینھم اور شاورھم فی الامر کے درمیان ربط کو تسلیم کرنے کے باوجود انہیں اپنی اپنی جگہ مستقل اصول قرار دینے پر مجبور حضرات کی اصل مجبوری یہ ہے کہ وہ ان دونوں آیات کی تفسیر اپنے طور پر کرتے ہیں۔

یہی وہ مقام ہے جہاں قرآن و حدیث سے کوئی موقف ثابت کرنے کی بجائے کتاب و سنت کو اپنے موقف کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ جاوید احمد صاحب سورۃ شوریٰ کی آیت نمبر ۳۸ امرھم شوریٰ بینھم میں مذکورہ صفات اور اس کے بعد سورہ التوبہ کی آیت نمبر ۱۱ میں ذکر کی گئی صفات کے حامل ہر فرد کے بارے میں کہتے ہیں کہ "اسے ریاست کے کامل شہری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہونے کے حقوق حاصل ہو جائیں گے وہ مشورہ دے سکے گا اور مشورہ لینے والوں میں بھی شامل ہو سکے گا"۔ مشورہ لینے اور دینے کے اسی حق کو وہ ووٹ دینے اور لینے کے حق سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان ہی کے الفاظ ملاحظہ فرمائیے: "اسلام یہی چاہتا ہے کہ ریاست کا نظام سیاسی اس جماعت کے ارکان ہی کے باہمی مشورہ پر مبنی ہو۔ ووٹ دینے کا حق بھی انھیں ہی حاصل ہو اور ووٹ لینے والے بھی انہی کے اندر سے ہوں"۔ ان کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ "یہ حق انھیں اسلامی ریاست کے حاکم اعلیٰ خداوند قدوس نے دیا ہے اور دنیا کا کوئی حکمران یا سیاسی ادارہ انھیں اس حق سے محروم نہیں کر سکتا"۔

یہ سب کچھ تفسیر بالرائے کا کرشمہ ہے ورنہ اسلامی ریاست کے حاکم اعلیٰ خداوند قدوس نے تو سورت الشوریٰ کی آیت نمبر ۳۸ میں یہ ذکر کیا ہے کہ مدینہ منورہ کے انصار مسلمان اپنے معاملات باہمی مشورہ سے طے کرتے ہیں اور اس کے بعد سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۱۵۹ میں اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شورائی نظام اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ اگر یہ حکم "شاورھم فی الامر" تک محدود ہوتا تو بھی کافی تھا کیونکہ یہ امر مسلم ہے کہ مشورہ اسی سے لیا جاتا ہے جو مشورہ دینے کا اہل ہو اور کس کا مشورہ تسلیم کرنا ہے یہ امر مشورہ لینے والے پر منحصر ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات تھی کہ جمہوریت پر ایمان لانے والے مسلمان اپنے "ایمان" کے تقاضے پورے کرنے کے لیے مسلمہ اصولوں کا بھی انکار کریں گے اس لیے شورائی نظام کا طریق کار بھی ذکر کر دیا لیکن وہ ہمیں اس لیے منظور نہیں کہ اس سے وہ کچھ ثابت نہیں ہوتا جو جمہوریت پر ایمان لانے کا بدیہی تقاضا ہے اس لیے رسیاں تڑا کر ہم یہ تک بھی کہہ دیتے ہیں کہ "قرآن کا منشا اس آیت (النساء:۸۳) سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو اپنے (قومی اور سیاسی اہمیت کے معاملات) کچھ خاص صفات کے حامل لوگوں کے سپرد کر دینے چاہئیں۔ قرآن مجید نے اس مفہوم کی تعبیر "ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منھم" کے الفاظ میں کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر یہاں مسلمانوں کے امیر کی حیثیت سے ہوا ہے اور "اولی الامر منھم" سے وہ ارکان مراد ہیں جنھیں اس وقت عام مسلمانوں کا اعتماد حاصل ہوتا تھا۔ اولی الامر کے الفاظ کا معنی ہے کہ وہ جن کے پاس امر ہے، اب ظاہر ہے کہ یہ "امر" انھیں کسی نے دیا ہے یا خود ہی سنبھال بیٹھے ہیں۔ "امرھم شوریٰ بینھم" کے مقتضیات کی وضاحت کے بعد چونکہ یہ دوسرا مفہوم لینے کی گنجائش نہیں ہے اس لیے اس ترکیب کا ٹھیک ٹھیک مفہوم یہ ہوگا۔ وہ لوگ جنھیں مسلمانوں نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نظام چلانے کی ذمہ داریاں تفویض کر دی ہیں۔" (اسلام کا سیاسی نظام ص ۳۴، ۳۵)

جس آیت کو کھینچ تان کر ووٹ کے تصور کو اسلامی ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے اس کا ترجمہ جناب جاوید احمد کے الفاظ میں یہ ہے "جب امن یا خطرے کا کوئی معاملہ ان کو پیش آتا ہے تو اسے پھیلا دیتے ہیں اور اگر وہ اس کو رسول ﷺ اور اپنے اولوا الامر کے سامنے پیش کرتے ہیں تو جو لوگ ان میں سے استنباط کی صلاحیت رکھتے ہیں وہ اس کو اچھی طرح سمجھ لیتے ہیں" (النساء: ۸۳) اس آیت مبارکہ میں منافقین کے طرزِ عمل کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک اصول کی بات کی گئی ہے کہ امن یا خطرے کا کوئی بھی معاملہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اولوا الامر کے سامنے پیش ہونا چاہیے۔ اس آیت میں ہی وضاحت موجود ہے کہ اولوا الامر پہلے سے موجود ہیں، تاریخ کا فیصلہ ہے کہ صدر اول میں اولوا الامر حضرات کو عوام یا مسلمان منتخب نہیں کیا کرتے تھے بلکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کا تقرر کرتے تھے اس سلسلے میں اولوا الامر حضرات کو عوام کا اعتماد حاصل ہے کہ نہیں، کا قطعاً کوئی خیال نہیں رکھا جاتا تھا[1]۔ بلکہ ان کی اس امر کے سلسلے میں اہلیت پیش نظر ہوتی تھی جو ان کے سپرد کیا جا رہا ہے۔ اس صورت میں یہ کہنا کیونکر درست ہے کہ "اولوا الامر منکم سے وہ ارکان شوریٰ مراد ہیں جنہیں اس وقت عام مسلمانوں کا اعتماد حاصل تھا" اور یہ کہ یہ وہ لوگ تھے "جنہیں مسلمانوں نے نظام چلانے کی ذمہ داریاں تفویض کر دی ہیں۔"

اصل مسئلہ وہی ہے جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے کہ شاورھم فی الامر کی تشریح اپنائے بغیر امرھم شوریٰ بینھم کے تمام تر مقتضیات خود ان لوگوں کے تقاضوں کی عکاسی کرتے[2] ہیں جو قرآن و حدیث کا موقف نہیں، ان کے حوالے سے اپنے موقف کو ثابت کرنا چاہتے ہیں ورنہ اولوا الامر کا ذکر کرتے ہوئے یہ "امر" انہیں کس نے دیا یا خود ہی سنبھال بیٹھے ہیں؟ کے تذکرہ کے ساتھ ایک اور یا کا اضافہ کرتے ہوئے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ "یا انہیں امیر نے

---

[1] بصورت دیگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت اسامہؓ اور ان کے والد محترم حضرت زیدؓ کو لشکر کے سردار نہ بناتے یا کم از کم اعتراض پر ان اصحاب کو "امر سپرد کرنے" کے فیصلے پر نظر ثانی کرتے۔

[2] یہی وجہ ہے کبھی شوریٰ، کبھی امانت، کبھی استخلاف اور کبھی بیعت سے ووٹ کے سیاسی نظام کو اسلام کا سیاسی نظام ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مقرر کیا ہے"۔ جس سے اسلام کا سیاسی نظام نکھر کر سامنے آجاتا ہے اور بیعت کی جگہ ووٹ کو اسلامی ثابت کرنے کا تکلف نہ کیا جاتا!

"عام مسلمانوں کو اجتماعی معاملات اپنے ان معتمد لوگوں کے سپرد کر دینے چاہئیں جو استنباط کی صلاحیت رکھتے ہوں" کی تائید میں یہ دلیل بھی دی جاتی ہے کہ "مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق جب ہوازن کے قیدی رہا کرنے کی اجازت دی تو آپ نے فرمایا: میں نہیں جان سکا کہ تم میں سے کس نے اجازت دی اور کس نے نہیں دی، پس تم جاؤ اور اپنے نمائندوں کو بھیجو تاکہ وہ تمھاری رائے سے ہمیں آگاہ کریں" (بخاری) کیا ان نمائندوں سے وہی اولوالامر مراد ہیں۔ جنھیں "مسلمانوں نے نظام چلانے کی ذمہ داریاں تفویض کر دی ہیں"؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو فرمایئے ان نمائندوں کو مسلمانوں نے کب ووٹ کے ذریعے منتخب کیا تھا۔ جناب جاوید احمد ہی ان نمائندوں کی اصل حیثیت کا تذکرہ کچھ اس طرح کرتے ہیں کہ "اس میں شبہ نہیں کہ ان کو یہ منصب انتخابات کے ذریعے حاصل نہیں ہوا تھا اور اس زمانے میں ایسا کرنا عملاً ممکن بھی نہیں تھا لیکن اس کے ساتھ یہ بھی واقعہ ہے کہ لوگ ان حضرات کے سماجی مقام اور فہم و تجربہ کی وجہ سے سیاسی و اجتماعی معاملات میں انھیں مرجع بناتے تھے۔ زمانہ جاہلیت میں بھی انھیں یہ اعتماد ان کے شعوب و قبائل کی آزادانہ مرضی سے حاصل تھا اور اسلام لانے کے بعد بھی ان کی یہ حیثیت برقرار رہی"۔ کیا صدرِ اوّل میں اولوالامر، عرفا اور نمائندوں کا انتخاب واقعی عملاً ناممکن تھا؟ اگر واقعی ایسا تھا تو جب ایسا عملاً ممکن ہونے کا وقت آیا تو حضرت علیؓ نے یہ کیونکر کہہ دیا کہ ایسا کرنا تمھارا کام نہیں ـــــ یعنی خلیفہؓ جسے عوام کا زیادہ معتمد ہونا چاہیے"۔ کے انتخاب میں بھی عوام کا کوئی اختیار تسلیم نہیں کیا جا رہا یہ اس لیے کہ حضرت علیؓ ـــــ امرھم شوریٰ بینھم ـــــ کے اصل تقاضوں سے باخبر تھے بلکہ انھوں نے اس کی تشریح بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھ رکھی تھی کہ قرآن و حدیث میں جس معاملہ کا ذکر نہیں، اسے قانونِ اسلامی میں بصیرت رکھنے والوں اور صالحین کے مشورے سے طے کرو"۔ (الطبرانی فی الاوسط بحوالہ اسلامی ریاست) لیکن تفسیر بالرائے کی تمام قدغنیں ان کے لیے تھیں ہم ان سے آزاد ہیں اس لیے ہمیں تو مجلس شوریٰ کے ارکان یا اولوالامر یا عرفا یا نمائندوں کی یہ شرائط قبول نہیں اور قبول ہے تو صرف ایک شرط کہ انھیں عوام کا اعتماد حاصل ہونا چاہیے تاکہ ووٹ کے سیاسی نظام کو اسلامی ثابت کیا جا سکے اور اس سلسلے میں بھول بھلیوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور قیاس آرائیوں کا وہ جال بن دیا کہ خدا کی پناہ — کہ ہر شخص مزاج شناس رسولؐ بن بیٹھا کہ اسلام سے قبل تو کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ یہ جبر و استبداد سے اولوا الامر بن بیٹھے تھے لیکن اسلام لانے کے بعد اس کا کوئی امکان نہیں تھا ان کے اتباع و عوام جب چاہتے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ان پر عدم اعتماد کا اظہار کر سکتے تھے اور اگر وہ ایسا کرتے تو یہ بات یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ یہ حضرات اپنے مناصب پر برقرار نہیں رہ سکتے تھے۔" (اسلام کا سیاسی نظام) تکرار کے ساتھ عرض کروں گا کہ لوگوں نے جن اولوا الامر (حضرت زید و اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم) اصحاب پر عدم اعتماد کا اظہار کیا انھیں کوئی اہمیت نہیں دی گئی کیونکہ وہاں اولوا الامر بنانے کا معیار اہلیت تھی عوام کا اعتماد نہ تھا! یہی وجہ ہے کہ جب اسامہؓ کی سالاری پر اعتراض کیا گیا تھا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح الفاظ میں فرمایا کہ "تم لوگ پہلے زیدؓ کی سرداری پر بھی طعن کر چکے ہو حالانکہ وہ اس کام کا اہل تھا اور اب اسامہؓ سردار بنایا گیا ہے اور وہ اس کام کا اہل ہے (بخاری)

دلچسپ بات یہ ہے کہ ووٹ کو اسلامی ثابت کرنے کے لیے جہاں یہ بلند بانگ دعویٰ کیا ہے کہ دنیا کا کوئی حکمران یا سیاسی ادارہ اسلامی ریاست کی شہریت کی صفات پر پورا اترنے والے لوگوں کو ووٹ کے حق سے محروم نہیں کر سکتا وہاں یہ بھی تسلیم کیا جا رہا ہے کہ صدر اول میں ووٹ کے استعمال یعنی — انتخابات سے "دوسرے مفاسد کے علاوہ — ایک لازمی نتیجہ بالخصوص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کے زمانوں میں، یہ نکلتا کہ معاشرے کے مختلف افراد شخصی طور پر طلب مناصب کی دوڑ میں شریک ہو جاتے، اپنا نام پیش کرتے، اپنے اوصاف کے گلیوں اور بازاروں میں بیان کرتے، اپنی خدمات کا ڈھنڈورہ پیٹتے، غرض ترغیب و تشویق کے لیے ہر وہ طریقہ اختیار کرتے جو جدید جمہوری معاشروں میں اس مقصد کے لیے مباح سمجھ لیا گیا ہے اور وہ سارے ہتھکنڈے استعمال کرتے جو موجودہ زمانے میں اس کھیل کے لازمی آداب میں شمار ہونے لگے ہیں۔"

اب یہ دلچسپ حقیقت بھی ملاحظہ فرمائیے کہ ایک طرف صدرِ اوّل میں بھی انتخابات سے اصحابؓ کے لیے عموماً اور بعد کے مسلمانوں کے لیے خصوصاً انہی برائیوں کو اپنانے کے خدشہ کا ذکر کیا گیا ہے جو موجودہ جمہوری معاشروں نے اپنائے ہیں تو دوسری طرف یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ ان برائیوں کے ماخذ انتخابات اور اس کا "یہ طریقہ" امرھم شوریٰ بینھم اور لعلمہ الذین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یستنبطونہ منھم" کے مقتضیات کے خلاف نہ ہوتا" وہ طریقہ ـــــ جسے سورۂ شوریٰ کی آیت نمبر ۳۸ اور سورۃ النساء کی آیت نمبر ۸۳ کے مقتضیات کے خلاف" قرار نہیں دیا گیا وہ یہ ہے کہ کیا یہ ممکن نہیں تھا کہ عرب کے مختلف علاقوں میں قرآن کے بیان کردہ اوصاف کے حامل اشخاص کو شوریٰ کی رکنیت کے لیے اپنے نام پیش کرنے کی ہدایت کی جاتی اور اس زمانے کے تمدنی حالات کے مطابق کوئی ایسا طریقہ وضع کیا جاتا جس سے ہر علاقے میں لینے والے مسلمانوں کی رائے ان لوگوں کے بارے میں معلوم ہو جاتی جو ان کے علاقے سے اس منصب کے امیدوار ہوتے پھر اس کے نتیجے میں مختلف علاقوں کے معتمد نمائندوں کی جو جماعت وجود میں آتی، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اقتدار اسے منتقل کر دیا جاتا اور اس کے ارکان باہمی مشورے سے اپنے لیے ایک خلیفہ کا انتخاب کر لیتے"

ایک طریقہ کو قرآن پاک کی دو آیات کے مقتضیات کے خلاف بھی قرار نہ دے کر اس طریقہ کے ایک حصہ (امیدواروں کو) کے نتائج کو افراد کی شخصیت پر منفی اثرات اور اجتماعی سیرت کے لیے اخلاقی قباحتوں اور مضرتوں سے تعبیر کرنا (اسلام کا سیاسی نظام ص) آخر یہ سب کچھ کیا ہے کہیں یہ کوشش جمہوریت کو اسلامی اور غیر اسلامی کہنے والے لوگوں کو بیک وقت مطمئن کرنے کے لیے تو نہیں کی جا رہی ہے تاکہ سند رہے اور بوقت ضرورت کام آئے۔ ورنہ قرآنی آیات کے مقتضیات تو بہتر اور درست طور پر سمجھنے والے اصحاب کی سربرآوردہ شخصیت (جناب علیؓ) تو اس طریقہ کو ہی غلط قرار دیتی ہے اور انھوں نے امرھم شوریٰ بینھم سمیت اسلام کے سیاسی نظام کی بنیادی آیات کی درست تشریح سے اسلام کے اصل شورائی نظام کا خاکہ پیش کیا ہے جس میں عوام کے اعتماد کو حاصل کرنے کے درست طریقہ کا بھی ذکر ہے اس لیے حضرت معاویہؓ کے نام ان کے ایک خط کو دوبارہ نقل کیا جا رہا ہے۔

جناب علیؓ لکھتے ہیں کہ مجھ سے انھیں لوگوں نے بیعت کی ہے جنھوں نے ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ سے بیعت کی تھی لہٰذا نہ تو حاضر کے لیے حق باقی رہ گیا ہے کہ بیعت کرنے میں اختیار سے کام لے اور نہ غیر حاضر کو حق ہے کہ بیعت سے روگردانی کرے۔ شوریٰ تو صرف مہاجرین و انصار کے لیے ہے اگر انھوں نے کسی آدمی کے انتخاب پر اتفاق کر لیا اور اسے امام قرار دے دیا تو یہ اللہ کی اور پوری امت کی رضا مندی کے لیے کافی ہے اب اگر امت کے اس اتفاق سے کوئی شخص اعتراض یا بدعت کی بنا پر خروج کرتا ہے تو مسلمان اسے حق کی طرف لوٹا دیں گے جس سے وہ خارج ہوا، انکار کرے گا تو اس سے جنگ کی جائے گی کیونکہ اس نے مومنوں کی راہ سے کٹ کر الگ راہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اختیار کی ہے اور خدا اسے اس کی گمراہی کے حوالے کر دے گا" (نہج البلاغہ)

الائمۃ من قریش

خلافت اسی کا حق ہے جو اس کا اہل ہو لیکن جناب جاوید احمد اس اصول کے برعکس یہ رائے رکھتے ہیں کہ قریش کو خلافت کا حق دار اس لیے قرار دیا گیا کہ انھیں عرب کے عام مسلمانوں کی اکثریت کا اعتماد حاصل تھا یہی بات ان کے استاذی الامام جناب مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے کچھ اس طرح بیان کی ہے کہ "حضورؐ نے فیصلہ قریش کے حق میں دیا تو اس کا واضح مطلب یہ ہو گا کہ اسلام میں خلافت و امارت کا استحقاق اس پارٹی کو حاصل ہوتا ہے جس کو اپنی دینی و اسلامی خدمات اور اپنے سیاسی اثر و رسوخ کے اعتبار سے ملک کی اکثریت کا اعتماد حاصل ہو" (اسلامی ریاست ص۴۷) خط کشیدہ الفاظ اسی حقیقت پر دال ہیں کہ یہ حضرات خلافت کے لیے کثرتِ رائے کے حصول یا با الفاظ دیگر جس کے حق میں زیادہ ووٹ پڑیں اسے ہی خلیفہ یا امیر بننا چاہیے" کا تصور رکھتے ہیں یہی نظریہ جمہوریت کا بنیادی تصور ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بھی قریش کو صرف اسی لیے خلافت کا مستحق قرار دیا تھا کہ انھیں ملک کی اکثریت کا اعتماد حاصل تھا" مسند احمد اور مسند ابو داؤد طیالسی میں بروایت حضرت ابوہریرہؓ ایک حدیث ہے کہ "ائمہ قریش میں سے ہوں گے جب تک وہ تین باتوں پر عمل کرتے رہیں۔ حکم کریں تو عدل کے ساتھ کریں، جب ان سے رحم طلب کیا جائے تو رحم کریں، جب عہد کریں تو وفا کریں پھر جو ان میں سے ایسا نہ کرے اس پر خدا اور فرشتوں اور انسانوں کی لعنت" یہی حدیث نسائی، حاکم، ابو یعلی اور طبرانی نے مختلف طرق سے روایت کی ہے لیکن الفاظ کم و بیش یہی ہیں۔ اس حدیث کو ایک بار پھر پڑھ لیں اور خود ہی فیصلہ کریں کہ اس میں قریش کو ملک کی اکثریت کے اعتماد حاصل ہونے کا ذکر کہاں ہے؟ خلافت کے بارے میں دوسری حدیث یہ ہے جسے امام شافعی اور بیہقی نے عطا کی مرسل روایت سے نقل کیا ہے کہ حضورؐ نے قریش کو خطاب کر کے فرمایا "تم اس کارِ حکومت کے سب لوگوں سے زیادہ مستحق ہو جب تک حق پر قائم رہو لیکن اگر حق سے منہ موڑو گے تو تمھاری اس طرح کھال کھینچی جائے گی جیسے اس ٹہنی کی چھال اتار دی جائے۔" اس حدیث میں بھی قریش کے عوام کے معتمد ہونے کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ امامت قریش کے بارے میں تیسری حدیث کا لفظی ترجمہ یہ ہے "تحقیق یہ امر قریش میں ہے،

© rasailojaraid.com